رضوان اللہ

يسئلون

سوال: اگر اللہ ہر بات کا علم پہلے سے رکھتا ہے، جیسا کہ یہ ہمارا عقیدہ بھی ہے، تو اس آیت میں علم کا کیا مطلب ہے: 'وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ'*؟ یہ الفاظ تو ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ اللہ نے بیت المقدس کو قبلہ اس لیے مقرر کیا تھا کہ وہ اس بات کا علم حاصل کرے کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے؟ مزید یہ کہ مولانا اصلاحی نے ''تدبر قرآن'' میں بیان کیا ہے کہ ''علم'' کے معنی ممیّز کر دینا، چھانٹ کر الگ کر دینا اور ظاہر کر دینا بھی ہیں، ان کی اس بات کی بھی کچھ وضاحت درکار ہے۔ (کاشف اقبال)

جواب: ہم جانتے ہیں کہ عربی زبان میں بھی الفاظ اپنے اصل معنی ہی میں استعمال نہیں ہوتے، بلکہ یہ اپنے نتائج اور لوازم کے لحاظ سے بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ لفظ ''علم'' کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اس کا اصل معنی تو جاننا ہے، مگر یہ اپنے نتیجے کے لحاظ سے ممیّز کر دینے کے معنی میں بھی آ جاتا ہے، اس لیے کہ جان لینے کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ اس سے دو مختلف چیزوں کے درمیان میں فرق کو جانا جا سکتا، یعنی ان کو باہم ممیّز کیا جا سکتا ہے۔ اب ظاہر ہے جب کوئی چیز ممیّز ہو جائے گی، وہ دوسری کی نسبت زیادہ نمایاں بھی ہو جائے گی، اور بعض صورتوں میں یہ فرق اس قدر زیادہ ہوگا کہ وہ گویا دوسری سے بالکل الگ ہوگئی۔ یہیں سے اس لفظ ''علم'' کے اندر ظاہر کرنے اور الگ الگ کرنے کا مفہوم بھی پیدا ہوا۔

---

* البقرہ ۲: ۱۴۳۔

باقی جہاں تک آیت کا معاملہ ہے تو اس میں ''علم'' کا لفظ مذکورہ بالا کسی معنی میں بھی استعمال نہیں ہوا۔ یہاں یہ لفظ آزمانے اور امتحان کرنے کے لیے آیا ہے۔ یہ اس لفظ کا ایسا ہی استعمال ہے، جیسے ہم کچھ طالب علموں کی ذہنی استعداد کو پرکھنے کے لیے کسی مقابلے کا انعقاد کروانا چاہیں اور اردو زبان میں کہیں کہ لو بھئی، ہم ابھی جان لیتے ہیں کہ تم میں سے ذہانت میں کون دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ یہاں ''جان لینا'' ظاہر ہے، جان لینے کے مفہوم میں نہیں، بلکہ پرکھنے اور آزمانے کے مفہوم میں ہے اور اس کی دلیل خود اس بات کا سیاق ہے۔ مذکورہ آیت میں بھی ''علم'' کا لفظ بالکل اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

سوال: قرآن مجید اگر واقعتاً فصیح اور بلیغ زبان میں نازل ہوا ہے تو کیا بات ہے کہ اس میں بعض جگہوں پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ نحو کے قاعدوں سے بے اعتنائی اور انحراف ہو گیا ہے، جیسا کہ یہ آیت: 'اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ'*۔ اس میں 'هٰذٰنِ' کو 'اِنْ' کی وجہ سے نصبی حالت میں ہونا چاہیے تھا، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے؟ (کاشف اقبال)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جواب: اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ سامنے رہنی چاہیے کہ زبان اپنی ابتدا میں نحو کے قاعدوں پر تخلیق نہیں ہوتی، بلکہ یہ زبان ہی ہوتی ہے کہ جس سے بعض ضرورتوں کے پیش نظر اس طرح کے علوم اخذ کیے جاتے ہیں۔ علم نحو کے مقابلے میں اگر قرآن کی قدامت کا لحاظ رہے تو یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ اس کی زبان بھی ان قاعدوں کو اصول مان کر مرتب نہیں کی گئی، بلکہ اس کے برخلاف ہوا یہ کہ جب ان قاعدوں کی تدوین کا کام باقاعدہ طور پر شروع کیا گیا تو اس کے ماہرین نے قرآن مجید کو عربی زبان کے ایک مستند ماخذ کی حیثیت دی اور اس سے بہت کچھ اخذ واستفادہ بھی کیا۔ چنانچہ کسی شخص کا محض ان قواعد کی بنیاد پر قرآن جیسی کتاب اور اس کی زبان پر سوال اٹھا دینا یا کسی درجے میں اعتراض کر دینا، کوئی علمی طریقہ نہیں ہے۔ اس کے بجائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اگر کہیں اس قسم کا کوئی اختلاف نظر آئے تو اسے ایک مستقل قاعدہ قرار دے کر یا پھر ایک لازمی استثنا کی حیثیت سے نحو میں شامل کر لیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر زبان کو اس کے اپنے زمانے میں رکھ کر پڑھا اور سمجھا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ ہر آن تبدیل ہوتی اور اپنی صورت گری میں بہت سے اصولی اور فروعی اثرات کو قبول کرتی چلی جاتی ہے۔ قرآن ایک خاص زمانے میں نازل ہوا ہے، اس لیے اس کی زبان کو بھی اس کے اپنے زمانے میں رکھ کر پڑھنا اور سمجھنا چاہیے۔ ہم جانتے ہیں کہ جب یہ کلام اپنے وقت کے ماہر نقادوں کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے اس کے محاسن کی حد درجہ تحسین تو کی، مگر ایک

---

* طٰہٰ ۲۰: ۶۳۔

کلام کی حیثیت سے کبھی اس پر کوئی تنقید نہ کی، حتیٰ کہ اس کے مخالفین اس کی دعوت پر ہزار ہا اعتراضات کرتے رہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ اس کی زبان پر کوئی اعتراض کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ یہ سب اس بات کی دلیل تھا کہ یہ قرآن اپنے وقت کی معیاری زبان میں اترا اور اس میں کوئی چیز ایسی نہیں تھی کہ جسے زبان کی غلطی قرار دیا جا سکتا۔

بہر حال، مذکورہ آیت کے اعراب کے بارے میں واضح رہے کہ ایسا نہیں ہے کہ اہل نحو ان سے واقف ہی نہ ہوں، بلکہ یہ اعراب ان کے ہاں ایک معروف قاعدے کے عین مطابق ہیں۔ 'اِنْ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ'۔ میں موجود 'اِنْ' کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یہ اصل میں 'إن المخففة من الثقيلة' ہے۔ اس کی علامت 'سٰحِرٰنِ' پر آ جانے والا حرفِ لام ہے اور عام طور پر یہ بات طے ہے کہ اس صورت میں یہ کوئی عمل نہیں کرتا، چنانچہ یہاں 'ھٰذٰنِ' ہی آنا چاہیے نہ کہ 'ھٰذَیْنِ'۔ قرآن مجید میں اس کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں، جیسے 'وَاِنْ کُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا*'۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

* الزخرف ۴۳: ۳۵۔